تحقیق و تنقید

سیرت نگاری کا صحیح منہج

ـــــــــ ڈاکٹر محمد یٰسین مظہر صدیقی

نگاہِ اولیں

سیرت نبوی علیٰ صاحبہا الصلوٰۃ والسلام کے مطالعہ اور نگارش کا جو منہج و طریقہ حضرت امام ابن اسحاقؒ (محمد بن اسحاق بن یسار ۸۵-۱۵۰/۷۰۴-۷۶۷) نے دوسری صدی/آٹھویں صدی کے وسط میں متعین کر دیا تھا، کم و بیش وہی آج تک رائج و مقبول چلا آرہا ہے۔ ان کے جانشین خوشہ چیں حضرت امام ابن ہشامؒ (عبدالملک بن ہشام بصری م ۲۱۸/۸۳۴) نے معمولی ترمیم و اصلاح کے بعد اس طرزِ نگارش کو ایسی جامعیت، قطعیت اور مقبولیت بخشی کہ وہ سکۂ رائج الوقت بن گیا۔ قرونِ خیر کے جامعینِ سیرت ہوں یا قرونِ وسطیٰ کے مؤلفینِ سیرت، عہدِ ماضی کے ماہرینِ فن ہوں یا دورِ حاضر کے محققینِ علم، سیرت نگاری کے ان دونوں اماموں کے قائم کردہ جادۂ تحریر و نگارش سے بالعموم انحراف و روگردانی نہ کرسکے۔

بایں ہمہ بعض اصحابِ سیرت نے ایک طرزِ نو بھی ایجاد کرنے کی اپنی بساط بھر کوشش کی۔ کسی نے سیرتِ نبوی کے گوناں گوں ابواب اور بوقلموں پہلوؤں پر مآخذِ سیرتِ طیبہ کی تمام روایات کو یکجا کر دیا۔ کچھ نے صرف روایاتِ حدیث کو سرچشمۂ ہدایت سمجھا اور ان ہی کی بنیاد پر اپنی کتبِ سیرت و سوانح تالیف کیں۔ بعض ہمہ جہت اور جامع شخصیات نے حدیث و سیرت کی روایات و معلومات میں حسین و جمیل امتزاج پیدا کیا۔ چند نادر و نایاب دماغوں نے تجزیہ و تحلیل اور تنقید و تبصرہ کا طریقہ اختیار کیا۔ بعض وارفتگانِ الفت اور شیفتگانِ محبت نے دامنِ دولت پر اغیار و اعداء کی گرائی گرد کو دور کرنے کی سعیٔ بلیغ کی۔ لیکن ان تمام مساعیٔ جمیلہ کے اعتراف کے باوجود یہ کہنا پڑتا ہے کہ ہماری تالیفاتِ سیرت

یک رخی اور غیر متوازن نظر آتی ہیں۔

ذاتِ نبوی علیہا الصلوٰۃ والتسلیم کی جامعیت وہمہ گیری کا احاطہ کرنا اور آپ کی شایانِ شان کتابِ سیرت کا وجود میں آنا انسانی فکر اور بشری کاوش سے شاید ماوراء ہے۔ اس کا حق تو اللہ تعالیٰ ہی ادا کرسکتا ہے بقول مولانا شبلی نعمانی ؎

فرشتوں میں یہ چرچا تھا کہ حالِ سرورِ عالم دبیرِ چرخ لکھتا یا کہ خود روح الامیں لکھتے
ندا یہ بارگاہِ عالم قدوس سے آئی کہ یہ ہے اور ہی کچھ چیز، لکھتے تو ہمیں لکھتے

اس کے باوجود ثنا خوانانِ مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کا فرضِ منصبی ہے کہ بساط بھر تالیفاتِ سیرت دربارِ رسالت میں نذر گذرانتے اور عام امتیوں کے رُوبرو پیش کرتے رہیں۔

جامع و مانع اور ہر لحاظ سے شامل وکامل کتابِ سیرت لکھنا بھی ناممکن ہے اور ایک یا چند افراد کے بس کی بات نہیں عظیم ترین انسانی شخصیت کی سیرت وسوانح کے لیے وسعتِ علم ہی کی نہیں، بیانِ بیکراں کی حاجت ہے۔ اس کو رُوبہ عمل لانے کے لیے منصوبہ بندی، بحث ونظر، مطالعہ وموازنہ اور پیہم کاوش ونگارش کی ضرورت ہے۔ وقت وزمانہ کی حدبندی بھی اس کے آگے بے محل ہے کہ وہ کارِ ابدی ہے۔ تاقیامِ قیامت جاری رہنے والا۔ "وَرَفَعْنَا لَكَ ذِكْرَكَ" کے مصداق ہر آن وہر زمان زبان وبیان اور تحریر وتقریر پر حکمرانی کرنے والا۔

اس مختصر مقالہ میں سیرتِ نبوی کے مطالعہ ونگارش کے ذیل میں چند رہنما خطوط اور سنگ ہائے میل تجویز کرنے کی ایک حقیر کوشش کی جارہی ہے جو صحیح مطالعہ اور جامع گزارش کا پتہ دیتی ہے گو کہ یہ خود بھی ناقص اور بعض پہلوؤں سے خام ہے اور ایک ناقص العلم، کج مج بیان اور حقیر قاری وکاتب کی طرف سے پیش کی جارہی ہے۔

سیرت نگاری کی چند سطحیں ہوسکتی ہیں: عام قاری اور عوام الناس کی تعلیم وتربیت کے لیے، ابتدائی، ثانوی اور اعلیٰ تعلیم کے طلبہ کی درسی ضروریات کی خاطر، بلند ذوق قارئینِ کرام کی تسکینِ ذوق کے مقصد سے اور خالص تحقیقی مطالعات کی صورت میں۔

ان گوناگوں مطالعاتِ سیرت میں سب کے لیے ایک ناگزیر اصول وطریقہ یہ ہے کہ رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرتِ طیبہ میں اسوۂ حسنہ کو اجاگر کیا جائے جو

تعلیم وتعلّم کی ضروریات کی تکمیل کرنے کے ساتھ ساتھ تمام قارئین کی ترتیب وتہذیب بھی کرتا رہے۔ آیات ومعجزات اور خوارقِ واقعات، مبشرات وبشارات اور ایسی ہی دوسری ماورائی اور مافوق الفطرت چیزوں کے بیان سے ان کے فکرونظر کو کند، عمل وفعل کو سلب اور عقیدہ وخیال کو منجمد نہ کرے۔ معجزاتِ نبوی سے انکار ہے اور نہ مبشّراتِ صحیحہ سے مگر قرآن مجید اور حدیث رسولؐ نے ان پر بنیادی زور نہیں دیا اور نہ ان کو حیات انسانی کا تہذیب گر وصیقل گر بنایا تو سیرت نگارانِ وقت کیوں ان کے بیان وتحقیق میں ضرورت سے زیادہ دلچسپی لیں؟

قابلِ عمل اور عام بشری فکر وعمل کی گرفت میں آنے والے پہلوؤں کو چھوڑ کر جب معجزاتی اور کراماتی پہلوؤں پر زور دیا جاتا ہے تو فطرتِ انسانی پر اساطیری رنگ اور دیومالائی تصورات مسلّط ہوجاتے ہیں۔ اس کے زیر اثر فرد، قوم، اور امت انفرادی اور اجتماعی دونوں اعتبار سے بے عملی اور بے فکری کا شکار ہوجاتی ہے اور وہ انھیں بالآخر بے حسی وبے شعوری تک لے جاتی ہے۔ ایسی سحر زدہ حالت اور نشہ آگیں کیفیت میں افراد اور ملّتیں صرف مسیحا کی آمد اور مہدی کے ظہور کا ہی انتظار کرسکتی ہیں اور خود اپنے اعضاء وجوارح اور ذہن ودماغ سے کام لے کر وقت کے تقاضوں اور زمانے کے مطالبوں سے عہدہ برآ نہیں ہوسکتیں، اس لیے کہ اسطوری فکروخیال اور دیومالائی عقیدہ ووہم ان کے تمام ذہنی اور جسمانی قویٰ کو شل کردیتا ہے۔

مراحلِ سیرت نگاری: عہدِ جاہلی

ہمارے تمام سیرت نگارانِ کرام بالعموم اپنے وفورِ جوش وخروش میں سیرتِ نبوی کے پس منظر ــ یعنی جاہلی عرب ــ کے سیاسی، سماجی اور تہذیبی منظرنامہ کے بیان وتصویرکشی میں حقائق وشواہد سے روگردانی کرتے ہیں اور عربِ جاہلیت کی وہ تصویر پیش کرتے ہیں جس پر علم، اخلاق حتیٰ کہ اسلام بھی ماتم کناں نظر آتے ہیں۔ وہ اسے ایسا دورِ شر اور عہدِ تاریک بناتے اور بتاتے ہیں جس میں خیر کی کوئی کرن اور روشنی کی کوئی لہر نظر نہیں آتی۔ حالانکہ حقیقت اور صورتِ حال کچھ دوسری ہی تھی۔

قبائلی جاہلی عرب میں رذائل کے ساتھ ساتھ فضائل بھی تھے، شرکی دنیا کے

کے ساتھ خیر کا جہاں بھی تھا۔ کارِ ابلیسی کا پہلو بہ پہلو اعمالِ رحمانی بھی کار فرمائی کر رہے تھے۔ یہ دوسری بات ہے کہ جاہلیت اور ظلمت نے علم، روشنی اور نور کو دبا رکھا تھا۔ شراب نوشی، قمار بازی، ظلم و زیادتی، سود خواری اور بہت سی دوسری برائیاں سماج اور قوم کے رگ و ریشے میں پیوست ہو چکی تھیں۔ اس کے ساتھ ان رذائل اور برائیوں کے برائیاں ہونے کا احساس بھی تھا۔ تارکِ شراب ہی نہیں، اس ام الخبائث کو منہ سے نہ لگانے والے بھی موجود تھے۔ قمار اور جوئے سے احتراز کرنے والے، سود سے بچنے والے اور ظلم و زیادتی کا مقابلہ کرنے والے بھی اسی جاہلی سماج میں موجود تھے اور حلف الفضول جیسی محمود مساعی کے ذریعہ ان کا سدّباب کرتے تھے دختر کشی کی لعنت محدود تھی۔ کم از کم شہری اور بہت سے بدوی قبائل میں بھی یہ مردود سمجھی جاتی تھی۔ ان کے فضائل نامہ میں فیاضی، سخاوت، بہادری، شجاعت، ایمانداری، دیانت، سچائی، صداقت، وسیع القلبی، شہامت، وعدہ کی پابندی، امانت اور قبائلی عصبیت یعنی اپنے قبیلہ اور قوم سے اتھاہ محبّت و بیکراں وفاداری جلی حروف اور سنہری زبان میں لکھی ہوئی نظر آتی ہیں۔ مذہبی عقائد و اعمال میں ان کے ہاں شرک و کفر کی اقسام موجود تھیں تو "اللہ واحد" کا تصوّر و عقیدہ بھی۔ وہ رسالت کے بھی اقراری تھے مگر آخرت کے منکر بن چکے تھے۔ عقائد و اعمال میں وہ اپنے آپ کو "دینِ ابراہیمی" کا پیرو سمجھتے تھے اور ان میں اس کی بعض باقیاتِ صالحات موجود بھی تھیں، جن میں نماز، روزہ، خیرات، حج، قربانی اور بعض دوسرے اعمالِ بدنی و مالی شامل تھے۔ ان امور کی شہادت خود قرآن مجید دیتا ہے۔

رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی قبلِ بعثت زندگی اسی جاہلی عرب کے سماج میں پروان چڑھی اور معراجِ نبوت تک پہونچی تھی۔ یہ چالیس سالہ عہدِ حیات بھی مثالی تھا اور قرآن مجید نے اسے آپ کی صداقت و نبوت پر بطورِ دلالت پیش کیا ہے:

فَقَدْ لَبِثْتُ فِيكُمْ عُمُرًا مِّنْ قَبْلِهِ ۚ أَفَلَا تَعْقِلُونَ ۝	میں رہ چکا تم میں ایک عمر اس سے پہلے، کیا پھر تم نہیں بوجھتے۔
(یونس ۱۶)	(شاہ عبدالقادر دہلوی)

اس میں شک نہیں کہ حضرت محمد بن عبداللہ ہاشمی قریشی صلی اللہ علیہ وسلم کی ترتیب براہِ راست

نگاہِ ربانی اور علمِ الٰہی میں ہوئی تھی تاہم اس میں بھی کوئی شبہ نہیں کہ اس مثالی تربیت اور بے داغ تعمیر کا کام جاہلی عرب کے سماج وتہذیب کے پروردہ ہاتھوں اور جسموں اور دماغوں کے ذریعہ ہی انجام پایا تھا۔ بی بی آمنہ، خواجہ عبدالمطلب، جناب زبیر وابو طالب دیگر اعمام وعمات اور اہلِ خاندان بنی ہاشم کے علاوہ حضرت حلیمہ سعدیہ اور ان کا خانوادۂ رضاعت کا آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی تعلیم وتربیت اور ساخت وپرداخت میں بنیادی بشری ہاتھ تھا اور وہ سب کے سب اسی عہدِ جاہلی کے پیداوار وارکان وافراد تھے۔ ان کے ساتھ ساتھ خاندانِ بنو عبد مناف کی متعدد سماجیات اور مکہ مکرمہ کی عام فضائے تہذیبی بھی کارگذار وکارفرما رہی تھی۔

اسی جاہلی عرب میں حضرت محمد بن عبداللہ ہاشمی کی بعثت ونبوت ہوئی۔ اس کے اسباب وعوامل اور محرکات وحالات پر بحث ہوتی رہی ہے اور ہوتی رہے گی، لیکن یہ حقیقت اپنی جگہ اٹل ہے کہ چھٹی صدی عیسوی کے جاہلی ماحول مکہ مکرمہ میں آپ پیدا اور ساتویں صدی عیسوی کے آغاز میں آپ مبعوث ہوئے۔ جاہلی عرب کا سماج اور تمدن محض تیرہ تار نہیں قرار دیا جا سکتا۔ دوسرے انسانی سماج اس سے بھی زیادہ بے شعور، جاہل، تاریک اور غیر انسانی تھے۔ حدیث نبوی کہ "اللہ تعالیٰ نے مجھ کو قریش میں، قریش کے خانوادہ بنو عبد مناف میں اور اس کے خاندان بنی ہاشم میں اپنے انتخاب واصطفاء سے بہرہ ور فرمایا" صرف ارادۂ وتدبیر الٰہی کی شہادت نہیں فراہم کرتی بلکہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے چیدہ ومنتخبہ خاندانوں اور انسانی طبقوں کے مجموعی خصائل واوصاف کی طرف بھی واضح اشارہ کرتی ہے۔ حقیقت وفطرت شناسی کی بات یہ ہے کہ جاہلی عربوں میں سمجھ میں آجانے والے قبولِ حق کا مادہ بھی اس کا ایک اہم ترین سبب، عامل اور بنیاد تھا۔ اسی کو فطرت اللہ اور فطرتِ سلیم کہا گیا ہے۔

قبلِ بعثت حیات نویسی

ولادت ورضاعتِ نبوی کے باب میں تاریخ وقت، ماہ وسال، تسمیہ و عقیقہ کے ساتھ ساتھ والدۂ ماجدہ، جدِ امجد کے عشق ومحبتِ خصوصی اور اعمام وعمات

کی الفت و یگانگت عمومی کا ذکر ہونا چاہیے اور اسی کے ساتھ اس محبت آگیں اور عصبیت زدہ فضا اور تہذیبی رسوم و رواج کا بیان بھی ہونا چاہیے جس میں نوخیز نونہالِ خاندان نے زندگی کی اولین ہمک سے آشنائی پائی۔ آخر وہ کون سی جبلّت، فطرت یا محبت تھی جس نے چچا ابولہب کو اپنی باندی ثُوَیْبَہ کو رضاعتِ نبوی پر مامور کرنے پر مجبور کیا؟ حضرت حلیمہ سعدیہ کی رضاعتِ حلیمانہ اور تربیتِ مادرانہ حکیمانہ کے باب میں نوخیز طفلِ ہاشمی کی تعلیم و تربیت کے بشری پہلوؤں پر زور دینا چاہیے۔ خاندانِ بنو سعد بن بکر/ ثقیف میں مجموعی طور سے پانچ برس کی مدّت پر تعلیم و تربیتِ نبوی میں مادری عربی زبان کا سیکھنا، چلنے پھرنے کی صورت پانا، تیر اندازی اور دوسرے کھیل اور انداز سیکھنا اور مجموعی طور سے رضاعی بھائی بہنوں اور ماں باپ کی ممتا بھری گود میں پرورش پانا اور زیست کرنے کے حسین انداز جاننا اور اپنانا بنیادی تربیتی پہلو ہیں جن کے صحیح اجاگر کرنے سے امتِ مسلمہ کے بچوں اور والدین کو ترتیبِ اطفال کا صحیح اسوہ مل سکتا ہے۔

والدہ ماجدہ اور جدِ امجد کی پرورش، قیامِ مدینہ کے واقعات و حالات، مکہ مکرمہ میں لڑکپن کی اٹھان اور فکری و بدنی طہارت، اعمام و عمّات بالخصوص حضرت زبیر کی پرورش و پرداخت، نوجوانی میں مکہ مکرمہ کی سماجی و تہذیبی زندگی میں کارکردگی اوّلین تعمیرِ کعبہ میں فطرت اللہ کی کارفرمائی، جنگِ فجار میں شرکت اور فنونِ حرب سے شناسائی، عرب تجارت میں شمولیت و شرکت اور بیس سال کی عمر شریف سے پورے مکی عہد میں عرب تجارت میں آپ کی مثال شرکت و شرافت، حضرت خدیجہ سے شادی اور ان کے ساتھ ازدواجی زندگی اور اولادِ امجاد کی ولادت و تربیت، دوسری تعمیرِ کعبہ میں آپ کی حکمت و قیادت اور حلف الفضول میں مجاہدانہ شمولیت و کارسازی کے واقعات کو ان کے صحیح تناظر میں پیش کرنا ضروری ہے۔ قبل بعثت واقعات و امور کو ان کے موقع و محل اور ان کے تاریخی تناظر سے کاٹ دینے کا رجحان صرف اس بنا پر پایا جاتا ہے کہ اولین امامانِ سیرت یا معتمد و مستند سیرت نگاروں نے ان واقعات و حالات و امور کو ان کے صحیح مواقع پر صحیح تاریخی تناظر میں نہیں بیان کیا۔ کورانہ تقلید نے لکھنے والوں کی نظر خراب کی

اور قارئین کی فکر و مطالعہ کو بے راہ، بے سود اور بے سمت کیا ہی خود سیرت نبوی کے واقعات کو درہم برہم کر دیا۔

نگارشِ عہدِ بعثت۔ مکی دورِ حیات

آغازِ بعثت نبوی اور ابتدائے تنزیلِ قرآن کریم کے درمیان چھ ماہ کا فرق زمانی پایا جاتا ہے بالعموم اس کا لحاظ نہیں رکھا جاتا۔ حضرت عائشہ کی حدیث رویائے صادقہ اور حدیثِ نبوی کہ رویائے صادقہ نبوت کا چھیالیسواں جزو ہے اور متعدد روایات و احادیث ثابت کرتی ہیں کہ بعثت نبوی ۱۲ ربیع الاول سالہ ہجری کا واقعہ ہے اور قرآن مجید کی تنزیل کا آغاز اسی سال رمضان المبارک کی لیلۃ القدر کا معاملہ ہے۔ اسی طرح فترہ کے بعد دوبارہ نزولِ قرآنی سے رسالت و تبلیغ کا آغاز ہوتا ہے جبکہ ہمارے سیرت نگار دونوں کو متصل واقعات کی حیثیت سے بیان کر دیتے ہیں۔ حضرت ورقہ بن نوفل اسدی سے رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی ایک یا اولین ملاقات تنزیلِ قرآن کے اولین واقعہ کے بعد حضرت خدیجہ کی تحریک پر بیان کی جاتی ہے حالانکہ ابن اسحاق / ابن ہشام اور سہیلی وغیرہ اہلِ سیر اور دوسرے مآخذ سے ان دونوں بزرگانِ کرام کی ملاقاتوں کے ایک سلسلے کا پتہ چلتا ہے۔ حضرت ورقہ کی وفات کا واقعہ عہدِ تبلیغ کا ہے جبکہ اسے اولین تنزیلِ قرآن کے معاً بعد کا معاملہ بتا دیا جاتا ہے۔

خفیہ تبلیغ کے زمانے کے مسلمانوں اور بالخصوص اولین مسلموں کا قبائلی، سماجی، مذہبی، تہذیبی اور عددی تجزیہ نہیں کیا جاتا۔ اولین مسلموں کی ترتیب میں سمجھوتہ کا فارمولا استعمال کیا جاتا ہے حیب کہ سابقینِ اولین کے باب میں قرآن مجید، حدیث شریف اسلامی تاریخ اور اسلامی فقہ نے فضیلت و سابقیت کا معیار، خدمات، جہادِ مالی و بدنی اور اسلام کے لیے طاقت و شوکت بننے کو قرار دیا ہے۔ یہ وہم بھی حقیقت سے متصادم ہے کہ اولین مسلمان سب کے سب یا غالب اکثریت میں کمزور طبقات، ادنیٰ معاشرتی حلقوں اور بیکس لوگوں (ضعفاء المسلمین) سے وابستہ و پیوستہ تھے حالانکہ ابن اسحاق / ابن ہشام کی قبائلی فہرستِ مسلمانان اور صعیدی، مونٹگمری واٹ

مولانا مودودی اور متعدد دوسرے تجزیہ نگاروں کے مطابق ان کی غالب اکثریت اشرافِ قریش/خانوادوں کے نوجوان سپوتوں پر مشتمل تھی۔ اس کی تائید میں ٹھوس حقائق اور ناقابلِ انکار ثبوت موجود ہیں۔ خیالِ عام اور وہمِ انام کی تائید میں حضرت ابوسفیان اموی اور شاہِ روم ہرقل کے مکالمے پر مبنی حدیثِ بخاری اور چند اسماء مستضعفین غلط طریقے سے پیش کیے جاتے ہیں۔ خفیہ تبلیغ کے کل مسلمانوں کی تعداد بہت کم دکھائی جاتی ہیں۔ اس میں بچوں اور عورتوں کا شمار نہیں کیا جاتا، مکہ مکرمہ کے خاندانوں کی اجتماعی قبولیتِ اسلام کا حوالہ نہیں دیا جاتا اور شہرِ الٰہی سے باہر دوسرے عرب علاقوں میں اشاعتِ اسلام اور تعدادِ سابقین کا حوالہ نہیں دیا جاتا۔ حالانکہ حقیقت یہ ہے کہ اسی دورِ تاریخ ساز میں مکہ مکرمہ سے دور بسے ہوئے بلکہ دور دراز کے علاقوں اور قبیلوں میں اسلام پہونچا اور مسلمان وجود میں آئے تھے۔ مکہ و مدینہ کے درمیان بسے ہوئے غفار و اسلم کے قبیلے، مشرق میں بحرین اور عبدالقیس کے بدوی لوگ، جنوب میں اشعر، دوس، بجیلہ وغیرہ کے اہلِ اسلام اس کا جیتا جاگتا ثبوت ہیں۔

علانیہ تبلیغ کے امرِ الٰہی کے بعد رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی تبلیغی مساعی کا بیان و تجزیہ ابھی تک سیرت نگاروں کی تحریروں میں ادھورا اور تشنہ ہے، خاندانِ بنو عبد مناف کو دعوتِ نبوی اور اس کی مسلسل تکرار، عام اہلِ مکہ کو دعوتِ اسلام اور اس پر متواتر اصرار، ان تھک محنت و مشقت بلکہ جاں گسل و جاں گداز تبلیغِ نبوی، دعوتِ نبوی کے تبلیغی مشمولات، تلاوتِ قرآن کریم، خطباتِ نبوی، دعوت کے طریقے، گھروں، بازاروں، میلوں ٹھیلوں، قبائلی آماجگاہوں، عمرہ کے مقاموں اور حج کے منسکوں، شبانہ روز کے دوروں، دارِ ارقم کی پہنائی میں تعلیم و ارشاد کے حلقوں، تاجروں، زائروں، حاجیوں اور عام آنے جانے والوں سے نبوی ملاقاتوں اور ہر آن و ہر وقت کی نبوی کاوشوں کا بیان ابھی تک تشنۂ تحقیق و تحریر ہے۔

مکہ مکرمہ میں مسلمانوں کی ایک معتد بہ تعداد جمع ہو جانے کے بعد رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے غیر اسلامی ملک و ماحول میں اہلِ ایمان کی شیرازہ بندی اور مسلم معاشرہ کی تعمیر و تشکیل کی جو کوشش دارِ ارقم کے قیام کے زمانے اور مکی مواخاۃ مسلمانان کے ذریعہ کی اس کا ابھی تک سیرت نگاروں کو بالعموم شعور ہی نہیں ہو سکا، بیان و تحریر

اور تحلیل و تجزیہ کی نوبت کیوں کر آتی؟ اس پر طرفہ ستم یہ کہ اکثر و بیشتر سیرت نگاروں نے مکی مواخاۃ اور مدنی مواخاۃ اور ان کے ذریعہ وجود میں آنے والے مسلم مکی اور مدنی معاشروں کو ہی خلط ملط کر دیا۔ اسی طرح مکہ مکرمہ اور مدینہ منورہ کے درمیان مذہبی روابط کا آغاز تاخیر سے کیا جاتا ہے جب کہ ان دونوں شہروں کے قدیم خاندانی، قبائلی، ازدواجی، تجارتی اور مذہبی تعلقات کے پس منظر میں مدینہ منورہ میں اشاعتِ اسلام یا تعارفِ دین کا واقعہ ابتدائی مکی عہد کا ہے۔ ہجرتِ حبشہ اور مہاجرینِ حبشہ کا تجزیہ و تحلیل اور حبشہ میں مہاجرینِ مکہ کا قیام و سکونت و معاشرت ابھی تک کسی کے حیطۂ فکر میں نہیں آیا کہ تجزیہ و تحلیل کے مرحلہ سے گزرتا۔ طائف کا ایک ماہ قیامِ نبوی اور اس سفرِ مبارک کا تبلیغ نبوی کے ایک حلقہ کی حیثیت سے مطالعہ بھی ناقص ہے۔ تیرہ سالہ مکی عہدِ حیات کے نبوی اکتسابات، اسلامی کامیابیوں، مسلمانوں کی کل تعداد، جزیرہ نمائے عرب میں ان کے پھیلاؤ کا مطالعہ بھی تحقیق طلب ہے۔

مدنی دورِ حیات کی نگارش

ہجرتِ مدینۂ منورہ کا مطالعہ بھی مزید غور و فکر اور تحقیق کا متقاضی ہے۔ دارالہجرۃ کی حیثیت سے مدینۂ منورہ کا انتخاب کن غیر الٰہی، مادی، فوجی، اقتصادی، سیاسی، سماجی اور تہذیبی اسباب سے ہوا اور الٰہی انتخاب کی حکمتیں کیا تھیں؟ سیرت و حدیث کے مآخذ میں وہ معلومات موجود ہیں جو یہ ثابت کرتی ہیں کہ مدینۂ منورہ کی جغرافیائی حیثیت اور تہذیبی نوعیت الٰہی انتخاب کا سبب بنی تھی۔ تجزیہ و تحلیل سے یہ بھی واضح ہوتا ہے کہ اوس و خزرج کی سیاسی، سماجی اور اقتصادی قوت اور مکہ اور اہلِ مکہ سے ان کے دیرینہ اور گوناگوں تعلقات نے شہرِ نبوی میں اشاعتِ اسلام کی راہ ہموار کی تھی اور غالب آبادی کے قبولِ اسلام نے اسے دارالاسلام بنا دیا تھا۔ رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے قبائلِ عرب سے حمایت و نصرت کا مطالبہ جسے کتبِ سیرت و حدیث میں "عرض علی القبائل" کے عنوان سے پیش کیا جاتا ہے اسی مقصد کے حصول کی خاطر تھا۔

اس سے زیادہ اہم اور بنیادی نوعیت کا معاملہ مہاجرینِ مکہ مکرمہ کی ہجرت،

تعداد، دارالہجرۃ میں مختلف خاندانوں میں ان کے ابتدائی دور میں بطور مہمان خانہ اور ضیوف الرحمٰن کے قیام اور بعد میں مدنی مواخاۃ کے ذریعہ مدنی معاشرہ میں مستقل طور سے اتحاد و آمیزش کا ہے۔ مہاجرین مکہ کے علاوہ دوسرے مہاجرین بلاد و امصار کا تجزیہ و حوالہ بالعموم نہیں دیا جاتا جب کہ غفار و اسلم وغیرہ قبائل بدویہ کا انتقال مکانی اور قرب و جوار کے قبائل عرب جیسے جہینہ، مزینہ وغیرہ کا نقل مکانی اور مدینہ منورہ کی آبادی میں ان کی شمولیت ایک تاریخی واقعہ ہے۔ ان سب کی تعداد کا مطالعہ اس سے بھی زیادہ اہمیت کا حامل ہے اور مدینہ منورہ کی اقتصادی حالت اور معاشی مضبوطی کا جائزہ لینا بھی کہ دونوں نہ صرف لازم و ملزوم ہیں بلکہ مستشرقین اور جدید مورخین کے اس دعویٰ کے صحیح تجزیہ کے لیے ضروری بھی کہ مدنی معیشت ان نو واردانِ بساطِ اسلام کو انگیز کرنے کی بھرپور استطاعت و طاقت رکھتی تھی اور ان کی آمد و سکونت کی بنا پر غزوات و سرایا کے ذریعہ لوٹ مار اور اقتصادی و معاشی تھال کی ضرورت نہ تھی۔ مدنی مواخاۃ کا ذکر بالعموم ایک عارضی انتظامِ معاشرت اور محض ابتدائی دور کے ایک واقعۂ فاجعہ کے طور کیا جاتا ہے جب کہ وہ حقیقتاً امتِ اسلامی کو وجود میں لانے والا واقعہ تھا جس کے دوررس سماجی، سیاسی اور اقتصادی اثرات تھے اور جو ایک مستقل نظامِ معاشرتِ اسلامی بھی ہے۔

تعمیر امتِ مسلمہ

مدینہ منورہ میں اسلامی امت کے آغاز و ارتقاء، تعمیر و تشکیل اور استحکام و مضبوطی پر مسلم سیرت نگاروں سے زیادہ مستشرقین نے لکھا ہے۔ اس ضمن میں ان کے ہاں حسب معمول نفع کے ساتھ ضرر کا اور تریاق کے ساتھ زہر کا پہلو زیادہ ہے۔ حیرت و افسوس کی بات ہے کہ مسلم سیرت نگاروں نے صحیفہ / کتابِ نبوی کا جسے دستورِ مدینہ کے نام سے شہرت حاصل ہے صحیح اور غائر مطالعہ نہیں کیا اور جو کچھ کیا اس کے تحت غیر مسلم عناصر ـ یہود ـ وغیرہ کا اسلامی امت میں ادخال و انضمام دکھا دیا جب کہ ہر ایک کو یہ بھی تسلیم ہے کہ امتِ اسلامی کی بنیاد و نہاد اور خمیر و قوام مذہبِ اسلام ہے جو یہود وغیرہ کا نہیں تھا۔ اس کے دوسرے سماجی، سیاسی، اقتصادی اور تہذیبی جہات اور

زاویوں کی طرف کسی کی نگاہ تک نہیں گئی۔ اسی طرح اللہ تعالیٰ کے احکامات اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے خالص مذہبی اقدامات کی معاشرتی حکمت کی طرف توجہ نہیں مبذول ہوئی چنانچہ مذہبی شرائع و احکام کا مطالعہ غیر متحدہ اکائیوں اور غیر منسلک اقدامات کے بطور کیا جاتا ہے، حالانکہ ان سب کی معاشرتی، سیاسی اور تہذیبی حکمتیں بھی تھیں۔ مکی اسلام اور مدنی اسلام کا شوشہ بالعموم مستشرقین اور جدید تعلیم یافتہ اہلِ سیر کی طرف سے چھوڑا جاتا ہے جس سے علما، محققین تک بایں طور متاثر نظر آتے ہیں کہ وہ مکی عہدِ حیات میں ان احکامِ شرعی کا سراغ نہیں پاتے جن کا نفاذ مدنی دورِ شریعت میں ہوا حالانکہ احکامِ شرعی یا تشریع و قانون سازی مکی دور سے شروع ہوئی اور مدنی دور تک اور وفاتِ نبوی کے وقت تک بتدریج ارتقار و تکمیل پذیر ہوئی۔ اس تدریجی اور مسلسل تشریعِ اسلامی کا مطالعہ بھی نہیں کیا گیا بلکہ اس کا شعور بھی کم ہے۔

مولانا شبلی رحمہ اللہ کے سوا بالعموم ہمارے سیرت نگار مدنی معاشرۂ اسلامی میں انصار و مہاجرین کی معاشی تگ ودو اور اس کے نتیجہ میں وجود پذیر ہونے والی اسلامی معیشت کے عناصرِ اربعہ۔ تجارت، زراعت، محنت اور حرفت۔ کا ادراک نہیں کرتے یا ان کو خالص مادی سودا سمجھ کر انھیں سیرتِ طیبہ کی پاکیزگی کے منافی جانتے اور اعراض کرتے ہیں حالانکہ وہ روحِ اسلامی کے اجسام و ابدان اور معاشرۂ اسلامی کے اعراض و ارکان اور احکامِ شرعی کے دنیاوی ابعاد و جہات ہیں۔ یہ ایسا موضوعِ سیرتِ نبوی ہے جس کی طرف توجہ نہیں دی گئی اور تو اور خود ذاتِ نبوی علی صاحبہا الصلوٰۃ والسلام کی معیشت و معاش کا مطالعہ قابلِ اعتنا نہیں سمجھا گیا۔

تعمیرِ امت اور مغازی نگاری

غزوات و سرایائے نبوی کا باب بھی جداگانہ قائم کیا جاتا ہے اور سیرتِ طیبہ اور تاریخ اسلام کے عالی تر، ہمہ گیر اور وسیع تر حیطۂ عمل میں ان جہادی مساعی کو آمیزد پیوست نہیں کیا جاتا۔ مولانا شبلی جیسے سیرت نگاروں نے سلسلۂ غزوات کو ایک بابِ سیرت بنا کر پیش کیا تو غزوات پر دوبارہ نظر میں ان کے محرکات، مسائل اور مقاصد کو زیرِ بحث لا کر سیرت و تاریخ کے بلند و وسیع تر فریم ورک

(Fram work) میں ان کو صحیح تناظر میں پیش کرنے کی سعی ضرور کی مگر ایک متحد و مسلسل و مربوط مقصدِ حیات کی ایک ترکیبی کڑی کی حیثیت سے ان کو ہم آہنگِ حیات کرنے میں ناکام رہے۔ یہ صحیح ہے کہ ریاست وحکومت واقتدار کا حصول منصبِ نبوت کی غرض وغایت نہیں ہے۔ لیکن یہ بھی اسی قدر یا اس سے زیادہ صحیح ہے کہ فرد وافراد کی تعلیم وتربیت کے عظیم ترین کارِ نبوت کے ذریعہ انبیائے کرام علیہم السلام بالعموم اور حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بالخصوص ایک اسلامی امت برپا کرنے کی کوشش کی ہے جسے قرآن مجید نے امتِ واحدہ قرار دیا ہے، خواہ وہ حضرت آدم علیہ السّلام سے لے کر آنحضور علیہ السلام تک کسی بھی نبی مکرم کی امت رہی ہو۔ امتِ اسلامی کا یہ تدریجی تسلسل اور تاریخی ارتقاء امتِ محمدی یعنی صحابہ کرام کی صورتِ جمیل میں تکمیل پذیر ہوا۔ غزوات وسرایا اسی امتِ اسلامی واحدہ و یگانہ کی تعمیر وتشکیل اور اس کے نتیجہ میں خلافتِ الٰہی اور ریاستِ اسلامی کے ارتقاء وتکمیل کے اسباب وعوامل اور عناصر تھے۔

اسلامی جہاد اور نبوی فوجی تگ ودو کے سماجی، سیاسی اور قبائلی جہات کا جائزہ بھی ابھی تک ناقص یا یک طرفہ رہا ہے۔ زیادہ تر توجہ قریش ویہود یا بعض اہم غزوات وسرایا کے حوالے سے بعض دوسرے قبائلِ عرب پر مرتکز رہی ہے۔ دوسرے قبائل کو نظر انداز کیا گیا ہے یا جزیرہ نمائے عرب کے سیاسی جغرافیے کے تناظر میں ان کا مطالعہ نہیں کیا۔ تاریخی ترتیب اور توقیتی روایت کی بنا پر دوسرے غیر جہادی واقعات کے بیچ میں تداخل کی کارفرمائی ہوتی ہے ایسے جہادِ نبوی کا ایک مسلسل ومربوط نظام نظر نہیں آتا۔ ان کے مقصدِ واحد واعلیٰ کے علاوہ ان کے اقتصادی ومعاشی پہلوؤں کا جائزہ وتجزیہ سیرت نگاروں کے ہاں قابلِ اعتبار نہیں ٹھہرا ہے حالانکہ سیرتِ نبوی کا یہ ایک اہم پہلو اور تاریخ اسلامی کا بنیادی باب ہے اور جس کے صحیح مطالعہ کے بغیر جہادِ اسلامی کا مطالعہ ناقص اور کسی حد تک غیر معتبر یا غیر مصدقہ جانا ہے۔ اسلام اور ذاتِ نبوی کا دفاع بھی اس کے بغیر نہیں کیا جا سکتا۔

تنگنائے عرب سے وسیع کر کے پورے عالمِ انسانیت میں پیغامِ اسلام کو عام و وسیع اور نافذ کرنے کی نبوی مساعی کا صحیح مطالعہ محض سلاطینِ عرب وعجم کے نام فرامین

نبوی کا ایک باب قائم کر دینے سے نہیں کیا جا سکتا۔ بالعموم بادشاہوں کے نام مراسلات نبوی، ان کے طرزِ عمل اور جوابات پر مشتمل مواد سے اس اہم آفاقی کارِ نبوت کا باب پورا کر دیا جاتا ہے۔ یا زیادہ سے زیادہ سفیرانِ نبوی کے اسمائے گرامی، ان کے اسفار رسالت اور چند دوسری متعلقہ و غیر متعلقہ چیزوں کا ذکر کیا جاتا ہے۔ حالانکہ رسول اکرم اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ اقدامِ عالی مقام بعثتِ محمدی کو عربی سے آفاقی، محدود سے لامحدود، مقامی سے عالمی اور موقت سے ابدی بنانے کی خاطر تھا۔ یہ دراصل ختم نبوت اور خاتم النبی کا عالمی اعلان تھا کہ اب صرف پیغام الٰہی پیغام محمدی کی صورت میں قابلِ قبول اور پسندیدۂ ربانی ہے۔ مراسلاتِ نبوی کے اثرات ــــ عالمی و آفاقی اثرات ــــ و نتائج و ثمرات کا کما حقہ تجزیہ کرنا ضروری ہے۔ مدینۂ منورہ کے شمالی علاقوں میں رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے غزوات و سرایا بالخصوص رومی شہنشاہت کے خلاف عملی اقدامات ان فرامین و پیغاماتِ نبوی کو عملی و منصبی و واقعی توسیعات تھیں اور ان ہی کے سبب پورے جزیرۂ نمائے عرب میں اسلامی قوت و شوکت کو تسلیم کیا گیا۔

نبوی جاہ و حشمت، اسلامی سیاسی فوجی طاقت اور اقتدار الٰہی کے ان صریح و عظیم اقدامات کے نتیجہ میں ہی پورے قبائلِ عرب نے تمام اطراف و اکناف سے اپنے وفود، نمائندے اور سفراء خدمتِ نبوی میں مدینہ منورہ بھیجے تھے۔ ان کے عملی نتائج و ثمرات یہ نکلے کہ پورا عرب مطیع و منقاد ہوا اور اشاعت و نفاذِ اسلام کی راہ ہموار ہوئی۔ اسی کو نصرِ الٰہی اور فتحِ ربانی کہا گیا ہے۔ خاتم النبیین علیہ السلام کے کارِ نبوت و مقصدِ بعثت کی تکمیل اسلامی معاشرہ اور ریاست کے قیام کی صورتِ دلپذیر میں اپنے عروج و معراج کو پہونچی۔ اس پورے باب سیرت کا سیرتِ طیبہ کے مجموعی تناظر و حیطۂ عمل میں مطالعہ باقی ہے۔ اسی طرح وفاتِ نبوی کے باب اور اس کے مابعد خلافتِ اسلامی کے قیام و حکومتِ ربانی و الٰہی کے تسلسل و تداخلِ ادوار کے فلسفہ کا مطالعہ بھی باقی ہے۔ سیرتِ نبوی کا مطالعہ ولادت و بعثت سے لے کر وفات و خلافت تک ایک مسلسل و مربوط ارتقاء اسلامی کی حیثیت سے کرنے کی ضرورت ہے۔

تہذیبی اور تمدنی عناصر و ارکانِ عہدِ نبوی کا جائزہ ابھی تک نہیں لیا گیا ہے۔ سیرتِ نبوی کے

حوالے سے زمانِ نبوی میں اسلامی تہذیب و تمدن کے آغاز و ارتقا اور بنیادی عناصر کا مجموعی مطالعہ نہ کرنے کے سبب نہ تو عہدِ نبوی کے تمدنی جہات کا ادراک کیا جاسکا اور نہ اسلامی تہذیب کے بنیادی اور قوامی عناصر کی نشاندہی ہی کی جا سکی۔ ماکولات و مشروبات، لباس و پہناوے، برتن بھانڈے، سامانِ عیش و حیات، زیورات عطریات، تجارت و حرفت، زراعت و محنت، کھیل اور تفریح، سماجی طبقات، اقتصادی اونچ نیچ، اور اسی طرح کے بہت سے دوسری سماجی، اقتصادی اور تمدنی معلومات کا سراغ نہیں لگایا جاسکا اور ان معلومات کی بنا پر اس عہدِ میمون کی تہذیبی بازیافت نہیں کی جا سکی۔ حالانکہ مصادرِ سیرت و حدیث میں اس موضوع وسیع و ہمہ گیر پر اتنا مواد بکھرا ہوا موجود ہے کہ دفاتر کے دفاتر تیار کئے جا سکتے ہیں اور عہدِ نبوی کی شاندار اسلامی تہذیب کا قصرِ اعلیٰ تعمیر کیا جا سکتا ہے۔ لیکن یہ ہے بہت مشکل بلکہ جانکاہ و دل سوز کام۔ رتی رتی اور ماشہ ماشہ بلکہ قطرہ قطرہ معلومات جمع کر کے ان کو ایک مربوط نظامِ تمدن کا حصہ بنانا جگر کاوی اور جاں سوزی کے مترادف ہے مگر خونِ جگر کے بغیر ہر نقش ناتمام رہتا ہے۔

عہدِ نبوی کی تہذیب و تمدن کی تاریخ، ہیئت اور ہیولیٰ تیار ہو جائے تو بہ آسانی یہ فرق و امتیاز اجاگر کیا جاسکتا ہے کہ اس میں غیر مبدّل اور ابدی عناصرِ اسلامی کون کون سے ہیں اور مقامی، قابلِ تغیّر اور ہنگامی صورتیں کیا کیا ہیں؟ یہ ایک مسلّمہ حقیقت اور بدیہی واقعیت ہے کہ عہدِ نبوی کے عرب کی اسلامی تہذیب و تمدن میں اسلام کے آفاقی اور لازمی عناصر بھی موجود تھے اور مقامی عربی روایات و رسوم اور طور طریقے بھی۔ غیر مبدّل اسلامی عناصر تمام بلاد و ممالک کی اسلامی تہذیب و تمدن کے لازمی عناصر ہیں خواہ ان کا تعلق فکر و خیال اور اصول و عقیدہ سے ہو یا عملی حیات و حرکات کے میدان سے، جبکہ مقامی عناصر خواہ وہ عربی عناصر ہی کیوں نہ ہوں اسلامی تہذیب و تمدن کے بنیادی عناصر و ارکان نہیں ہیں۔ علمائے محققین نے اسی بنا پر سنتِ تعبّدی اور سنتِ عادی میں فرق و امتیاز روا رکھی ہے۔ یہ دراصل اسلامی تہذیب و طرزِ حیات کے اسلامی اور مقامی عناصر کی دو علامتیں ہیں۔

طریق مطالعہ و نگارش (Methodology)

مورخ و سیرت نگار مسعودی (ابوالحسن علی بن حسین ۔۳۴۵-۲۸۰/۹۵۶-۸۹۳) کا تبصرہ کم از کم مشرقی اور مسلم سیرت نگاروں اور تاریخ نویسوں کے حق میں بڑا حقیقت پسندانہ ہے کہ ان کے نزدیک تاریخ یا سیرت نگاری محض واقعات کی کھتونی ہے۔ بالعموم ہمارے سیرت نگار حیاتِ نبوی کے واقعات و کوائف، سوانح و حوادث اور حالات و سوانح بیان کرتے چلے جاتے ہیں اور اس میں تاریخی ترتیب و زمانی تسلسل کا خیال رکھتے ہیں۔ یہ طرزِ نگارش امامانِ سیرت ابن اسحاق و ابن ہشام نے ڈالی تھی جو کورانہ تقلید کے باعث مقبول عوام و خواص ہوئی۔ سہل انگاری اور فن کے تقاضوں سے ناواقفیت نے ان کی کتاب سیرت کے مواد و طریق دونوں تک مشرقی سیرت نگاروں کی مساعی کو محدود کر دیا۔ بعض اصحاب نے کہیں کہیں دوسری بعض کتبِ سیرت کے مواد و طرزِ تحریر کے پیوند ضرور لگائے مگر ان کی طریقت و شریعتِ سیرت نگاری وہی قدیم رہی۔ اب زیادہ مقبول و متداول رواج یہ ہے کہ دو چار کتابوں کی بنیاد پر دفاترِ سوانح اور کتبِ سیرت کے انبار لگائے جا رہے ہیں جن میں کچھ بھی ان کا اپنا یا طبعزاد نہیں ہوتا بلکہ سب کچھ مستعار اور ماخوذ ہوتا ہے۔

امامانِ سیرت نبوی نے باوجود بیانیہ اندازِ نگارش کے جا بجا تحلیل و تجزیہ اور تنقید و تبصرہ کا اسلوب بھی اپنایا ہے۔ مثلاً ابن اسحاق نے قدیم ترین مسلمانوں کا قبائلی تجزیہ پیش کیا ہے اور یہی اندازِ تحلیل مہاجرینِ حبشہ، مہاجرینِ مدینہ، شرکاء بیعتِ اولیٰ و اخریٰ، شرکاء بدرِ کبریٰ اور شہداء غزوات و سرایا کے سلسلے میں اختیار کیا ہے۔ متنِ امام میں جا بجا تنسیخ، ترمیم اور تنقید و تحلیل کی شاذ صورتیں ہی سہی اختیار کر کے ابن ہشام نے فنی بصیرت اور تجزیاتی مطالعہ کا نمونہ پیش کیا ہے۔ بعد کے سیرت نگاروں میں سہیلی (عبدالرحمٰن بن عبداللہ ۵۸۱-۵۰۸/۱۱۸۵-۱۱۱۴) نے تمام دستیاب روایات کی جمع و تدوین اور ضعیف و کمزور روایات و اخبار کی تنقید و تغلیط کے ذریعہ اپنی تجزیاتی بصیرت کا ثبوت پیش کیا اور مفصل ترین سیرت نگاری کی طرح ڈالی۔ انھوں نے علومِ اسلامی کے تمام متعلقہ مواد کو بھی ان کے موقع و محل پر پیش کر کے نیا مواد

اور نیا علم سیرت ہویدا کیا۔ غریب الفاظ و تعبیرات کرکے لغوی جہات کو روشناس کیا۔ دینی مسائل و امور پر بحث و نظر کا دروازہ کھولا اور ایک نیا منظر نامۂ سیرت نگاری پیش کیا۔ حافظ ابن کثیر دمشقی (اسماعیل بن عمر کثیر قرشی ۷۷۴-۷۰۱/۱۳۷۲-۱۳۰۱) اور ان کے طبقۂ محدثینِ کرام کے سیرت نگاروں نے بالخصوص حافظ مغلطائی (علاء الدین بن قلیج ۷۶۲-۶۸۹/۱۳۶۱-۱۲۹۰) حافظ ابن جوزی (عبدالرحمٰن بن محمد تیمی صدیقی ۵۹۷-۵۰۸/۱۲۰۰-۱۱۱۶) اور متعدد دوسرے سیرت نگار محدثین نے روایاتِ سیرت کے ساتھ ساتھ احادیث و اخبارِ محدثین کا بھی اضافہ و آمیزہ تیار کیا۔ مطعون امام سیرت واقدی (محمد بن عمر واقدی ۲۰۷- /۸۲۳-) نے جزئیات نگاری، نقد و تحلیل نویسی اور تفصیل و تشریح کی ایک نئی دنیا تخلیق کی۔ متاخرین میں امام حلبی (نور الدین بن علی ۱۰۴۴-۹۷۵/۱۶۲۴-۱۵۶۷) نے امام شامی (محمد بن یوسف صالحی ۹۴۲- /۱۵۳۶) کے متن میں تشریح و اضافہ کا اور علامہ زرقانی (محمد بن عبدالباقی ۱۱۲۲-۱۰۵۵/۱۷۱۰-۱۶۴۵) نے بیشتر متونِ سیرت اور روایاتِ سوانح کی جمع و تدوین اور تفسیر و تفصیل کا نیا جہان پیدا کیا۔

اردو سیرت نگاروں میں مولانا شبلی نے بیانیہ سیرت نگاری اور تجزیاتی مطالعہ کی حسین طرحِ نو ایجاد کی۔ ان کی سیرت النبی کی جلد اول پر بیانیہ انداز غالب ہے اور کہیں کہیں تنقید و تبصرہ اور تحلیل و تجزیہ کی کارفرمائی ملتی ہے۔ واقعۂ بحیرا راہب، مبشراتِ کُہّان، حضرت زینب بنت جحش رضی اللہ عنہا سے ازدواجِ نبوی، محرک غزوہ بدر وغیرہ کئی مقاماتِ سیرت تحلیل و تجزیے کی کٹھالی سے گذرے ہیں۔ جبکہ "غزوات پر دوبارہ نظر" نامی باب مورخانہ تحلیل اور ناقدانہ تجزیہ کا شاہکار ہے اور جسے بدقسمتی سے وہ خود بھی سیرت نگاری کے فریضہ سے باہر کی چیز اور وکیل دفاع کی مثل سمجھتے تھے۔ ان کی دوسری جلد پر تجزیاتی مطالعہ غالب ہی نہیں اس کی بنیاد و نہاد میں ہے اور وہ عہدِ سیرتِ طیبہ کی بازیافت کی نہایت مستحسن و کامیاب کوشش ہے۔ دوسرے اردو اور عربی سیرت نگاروں کا بھی طریق پیشکش بیانیہ ہی ہے اور چند مقاماتِ آہ و فغاں کے سوا تحلیل و تجزیہ سے عاری۔ مولانا سید سلیمان ندوی جامع و مرتبِ سیرۃ النبی شبلی نے اپنے اضافاتِ سلیمانی اور حواشی و تعلیقات

یں تحلیل وتجزیہ اور تنقید وتبصرہ کا ثبوت پیش کیا ہے ۔ اپنے استاذِ امام کے متعدد بیانات پر نقد وتبصرہ کیا ہے ، اضافاتِ سلیمانی میں نئی معلومات تجزیہ کے ساتھ پیش کی ہیں اور استاذِ گرامی کے چھوڑے ہوئے بیانات میں تجزیاتی وتحلیلی مطالعات کا رنگ روپ بھرا ہے ۔ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی تجارتی سرگرمی، حضرت ابراہیم علیہ السلام کے ذبحِ اسماعیل علیہ السلام کے رویائے صادقہ کی عینی نوعیت، خلافتِ الٰہی اور استخلاف فی الارض کی صورت ، ابو طالب ہاشمی کے عدم قبول اسلام کی حقیقت وغیرہ متعدد مباحث تجزیاتی ہیں ۔ ان کی مرتبہ بقیہ جلدوں کا سیرتِ نبوی سے براہِ راست تعلق نہیں، اگرچہ ان میں تجزیاتی انداز غالب وکارفرما ہے ۔ قاضی سلیمان منصور پوری کی رحمۃ للعالمین پر بیانیہ انداز غالب ہی نہیں سیرت نبوی پر اختصار غالب ہے اور متعلقات سیرت سے بحث زیادہ ہے ۔ یہاں تمام اردو سیرت نگاروں یا عربی اہلِ سیر کی کتبِ سیرت کا تنقیدی جائزہ مقصود نہیں ہے ۔ صرف ان کے طریقِ نگارش کا نمونہ مطلوب ہے ۔

عہدِ جدید میں بعض عمدہ تجزیاتی مطالعاتِ سیرت اور کتبِ سوانح وجود میں آئی ہیں ۔ ان میں مسعود احمد کی صحیح تاریخ الاسلام والمسلمین کا اولین حصہ بعنوان سیرۃ النبی قرآن مجید اور صحیحین بخاری ومسلم کی آیات وروایات کی بنیاد پر بہت خوبصورتی اور عمدہ تحقیق وحسین ترتیب کے ساتھ پیش کیا گیا ہے ۔ اس کی خامی یا محدودیت یہ ہے کہ وہ تمام روایات واخبار سیرت ہی کو نظر انداز نہیں کرتی بلکہ دوسری کتب حدیث میں موجود صحیح روایات سے بھی تعرض نہیں کرتی ۔ ان کا دعویٰ ہے کہ صرف روایاتِ صحیحین وآیاتِ قرآنی کی بنا پر جامع وکامل سیرت نبوی مرتب ومدون کی جاسکتی ہے ۔ ان کے دعوے میں شریک اور ادعا میں سہیم ڈاکٹر اکرم ضیاء عمری ہیں جنھوں نے تھوڑی وسعتِ قلب کا ثبوت دے کر صرف صحیح روایاتِ حدیث کی بنا پر السیرۃ النبویۃ الصحیحۃ تالیف کر کے اس کا ثبوت پیش کیا ہے ۔ ان تمام مطالعات مبنی بر حدیث میں نہ صرف سیرۃ نبوی کے عظیم ترین مواد اور کامل ترین ذخیرہ کو دریا برد اور طاقِ تغلیط کی زینت بنایا گیا ہے بلکہ حدیث وسیرت کے فنونِ عالی شان میں عداوت، تصادم، تنافر اور مخاصمت کا زہر بویا گیا ہے ۔

ہمارے اس زمانِ عقل و خرد اور عصرِ تحقیق و تفتیش میں سیرت نگاری پر اعلیٰ تالیفی و تحقیقی کام کرنے کی ضرورت ہے۔ یہ افراد و اداروں، جامعات و مراکز، درگاہوں اور دارالعلوموں کا انفرادی فریضہ بھی ہے اور امتِ اسلامی کا مجموعی کارِ منصبی بھی۔ علماء و فقہاء، دانشور و دانش ہیں، قدیم و جدید تعلیم یافتہ سب کا فرض منصبی بھی ہے، بنیادی طور پر کتابِ سیرت اور مطالعۂ حیات کی نوعیت کی بنا پر طریق نگارش میں تبدیلی آئے گی مگر بنیادی طریق فکر و نظر میں کوئی فرق روا رکھنے کی اجازت نہیں دی جاسکتی۔

بنیادی طرزِ فکر اور طریقِ مطالعہ اور طرحِ پیشکش قرآن مجید کے اس اصولی بیان میں ملتی ہے کہ حق بات ہر حال میں کہی جائے اور رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی شانِ عالی مقام کے تعلق سے جو بات زبانِ قلم سے نکالی جائے وہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی شانِ ذات و صفات کے مطابق، کردارِ اعلیٰ کے موافق اور اخلاقِ فاضلہ کے مناسب و موزوں ہی ہو، کسی طرح فروتر نہ ہو۔ حضرت عائشہؓ کی حدیثِ مبارک کہ آپ کا اخلاق قرآن ہے (کان خلقہ القرآن) صرف اخلاق کے محدود دارِ دو معنوں میں نہیں، بلکہ وہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی پوری حیات اور ساری سیرت کو محیط و شامل ہے۔ بلکہ وہ ایک اصولِ سیرت نگاری اور طریقِ تحقیق کا سنگِ میل ہے۔ سورۂ حجرات کی آیاتِ کریمہ ۲-۵ بلند آواز سے تخاطب و تکلم تک کو شانِ رسالت کے منافی قرار دیتی ہیں۔ اس حکم کا اطلاق بعد وفاتِ نبوی مسجدِ نبوی میں نماز و درود، صلوٰۃ و سلام اور پیام و کلام پر بھی جس طرح ہوتا ہے اسی طرح بلکہ اس سے کہیں زیادہ حیات و سوانحِ نبوی اور سیرت طیبہ کی تحریرِ نگارش اور تقریر و بیان پر بھی ہوتا ہے۔ سورۂ احزاب کی آیاتِ کریمہ ۵۲-۵۳ ایذا، و تکلیف کو حرام قرار دیتی ہیں اور قرآن مجید کی متعدد دوسری سورتوں کی آیاتِ مقدسہ شانِ رسالت کی حدود متعین کرتی ہیں۔ ان میں افراط و تفریط بھی شامل ہے اور مبالغہ و غلو بھی۔ لہٰذا اصولی طور پر ہر وہ روایت، حدیث، تعبیر و تشریح اور تجزیہ و تحلیل اور مطالعہ و نگارش قابلِ رد ہے جو ذاتِ والا اور صفاتِ عالیہ کی شان کو کسی بھی لحاظ سے بٹہ لگائے۔

مآخذ و مصادرِ سیرتِ نبوی

سیرت نویسی یا تحقیق و تصنیف میں اولین مرحلہ مواد کی نشاندہی، تعیین اور تلاش و تدوین کا ہے۔ اہلِ سیر بالعموم صرف روایاتِ سیرت کتب سیرت سے اخذ کرتے ہیں اور اہلِ حدیث موجودہ ادعائی دور میں صرف کتب حدیث سے مجمع البحرین اور جامع حیثیات اہلِ قلم قدیم و جدید زمانے میں احادیثِ نبوی پر مشتمل صحائفِ مقدسہ سے بھی برابر استفادہ کرتے رہے ہیں اور سیرت نگاروں کی کتب و روایات سے بھی۔ امام بخاری (ابو عبداللہ محمد بن اسماعیل ۲۵۶ - ۱۹۴/ ۸۷۰ - ۸۱۰) جیسی عظیم ترین حدیثی شخصیت بلکہ عبقری نے بابِ سیرتِ نبوی میں مستند ترین ائمہ سیرت حضرت عروہ بن زبیر اسدی (۹۴-۲۲/ ۷۱۳-۶۴۳) امام زہری (محمد بن مسلم بن شہاب ۱۲۴-۵۱/ ۷۴۲-۶۷۰) کے علاوہ ابن اسحاق اور موسیٰ بن عقبہ (۱۴۱-۵۵/ ۷۵۸-۶۷۵) کی روایات کا ذکر تراجمِ ابواب میں کیا ہے۔ مولانا شبلی، ان کے جامع و مرتب مولانا سید سلیمان ندوی، مولانا ادریس کاندھلوی، مولانا مودودی اور متعدد دوسرے اہلِ قلم سیرت نگاروں نے دونوں بحرینِ سیرت سے کسبِ نور کیا ہے اور قرآن مجید کے الٰہی سرچشمہ سے بھی۔

قدیم و جدید سیرت نگاروں نے بدیہی طور سے یا مضمر انداز میں تصادم روایات کی صورت میں روایاتِ سیرت پر روایاتِ حدیث کو ترجیح دینے کا اصول قائم کیا ہے جسے بالعموم سنہری، مطلق، ناسخ اور غیر مبدل سمجھا جاتا ہے۔ مولانا شبلی و سلیمان ندوی کے مقدمۂ سیرۃ النبی نے اس اصول کو ببانگ دہل بیان کیا ہے اور واحد معیارِ حق قرار دیا ہے۔ خواہ ان روایاتِ حدیث کی بنا پر اسلام یا ذاتِ نبوی پر حرف آتا ہو، اور قواعدِ مسلمہ اور اصول ثابتہ کو زک پہونچتی ہو۔ حافظِ حدیث اور ماہرِ سیرت امام مغلطای نے اشارتاً و اختصاراً یہ اصول وضع کیا کہ اہلِ سیر کا اجماع و اتفاق عام منفرد روایات حدیث پر تصادم و تنافر کی صورت میں برہانِ قاطع ثابت ہوگا۔ حافظ ابن حجر عسقلانی (احمد بن علی بن حجر ۸۵۲-۷۷۳/ ۱۴۴۹-۱۳۷۲) نے اور بعض دوسرے ماہرینِ حدیث حدیث نے اہلِ سیر کی روایات کی تصدیق و ترجیح کے ذریعہ یا امامانِ حدیث پر نقد و تبصرہ کے حوالہ سے اصولِ مغلطای کی بزبانِ خاموشی تصدیق و تائید کی ہے۔

تدبّر و تدبیر، عقل و دانش، منطق و فلسفہ اور تبحر علمی و تخصیصِ فنی کے تقاضے بھی یہی مطالبہ کرتے ہیں کہ جس مسئلہ کی تعبیر و تفسیر پر ماہرینِ فن کا اجماعِ عام ہو یا ان کی اکثریت کا اتفاقِ عمومی ہوا سے ترجیح حاصل ہو۔ حضرات محدثینِ عظام کا مقصدِ تدوین اور مقصودِ تالیف سیرت نگاری یا حیاتِ طیبہ کی تفصیلات و جزئیات فراہم کرنا نہیں تھا۔ ان کا مقصودِ اصلی سنتِ مطہرہ اور حدیثِ طاہرہ اور سیرتِ پاک سے اور ان سے متعلق روایات و احادیث سے اسلامی حکم یا فقہی مسئلہ اخذ کرنا تھا۔ وہ دین و شریعت کے احکام نویسی اور قوانین کی تدوین کا فریضہ انجام دے رہے تھے۔ یہی وجہ ہے کہ وہ کتب و ابوابِ فقہی کے تحت موادِ سیرت اور روایاتِ حیات سے تعرض کرتے ہیں، سیرتِ نبوی کی بازیافت یا اس سلسلہ کی معلومات فراہم کرنا ان کے فنِ عظیم کے سلسلہ میں شامل نہیں رہا ہے۔ اسی بنا پر ان کا اندازِ پیشکش خبرِ واحد، حدیثِ آحاد اور روایات غیر منسلکہ کی صورت میں الگ الگ ملتا ہے اور کسی موضوع پر خواہ وہ ان کا بنیادی دینی کام۔ فقہی استنباط اور حکمی تحقیق کا ہو ایک مربوط و مسلسل بیانیہ نہیں ملتا۔ اس سے زیادہ اہم اور نکتہ رس یہ حقیقت ہے کہ سیرتِ نبوی سے متعلق ان کے ہاں وہی احادیث و آثار اور روایات ملتی ہیں جن سے کوئی دینی مسئلہ، فقہی حکم، اسلامی قانون، تشریعی نکتہ، قانونی معاملہ اور مذہبی امر نکلتا ہو۔ اسی سبب سے ان کے ہاں پوری سیرتِ نبوی کا احاطہ و استقصا بھی نہیں ملتا۔

طریقِ محدثینِ کرام کے بالمقابل اہلِ سیر کا مقصودِ تالیف اور مقصدِ تدوینِ ذات و صفاتِ نبوی، حالات و اکتسابات عہد، واقعات و معاملاتِ عصر، امور و احکامِ دین اور تمام سوانحِ حیات اور کارناموں کے بارے میں معلومات و مواد جمع کرنا اور ان کو ایک مرتّب و مسلسل بیانیہ کی صورت میں تمام شیفتگانِ راہِ الفت تک پہونچانا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ ان کا طریقِ تدوین و تصنیف محدثینِ کرام سے الگ ہے۔ وہ اخبارِ آحاد اور روایات و احادیث کو ان کے موضوعاتی مرتبہ و محل کے اعتبار سے اپنی طرف سے مرتّب و مدوّن کرتے اور حیطۂ سوانح میں تاریخی ترتیب واقعات کے مطابق گوندھ کر پیش کرتے ہیں۔ ان کے ہاں سند

کا اسی بنا پر اتنا اہتمام نہیں ہوتا کہ وہ اخبارِ آحاد کے تسلسل وارتباط میں مانع ہوتی ہے وہ مختلف رواۃ واخباریوں کی متعدد روایات میں موضوعات ومضامین کے لحاظ سے ادخال وادغام کا کام بھی کرتے ہیں۔ گوناگوں امور ومعاملات پر مشتمل روایتِ واحدہ اور خبرِ واحد کو مضمون وتاریخ کے لحاظ سے اجزا میں منقسم کرتے ہیں اور پھر نقطۂ آغاز سے نقطۂ اختتام تک تمام مراحلِ حیات کا بیانیہ بایں طور پیش کرتے ہیں کہ وہ ایک مسلسل ومربوط اور جاری وساری بیانیۂ حیات بن جاتا ہے۔

طریقِ محدثین وطریقۂ اہلِ سیر کے اختلاف وتباین کے باوجود سیرت نگار کا یہ فرضِ منصبی ہے کہ وہ دونوں ذخیرہ ہائے معلومات اور گنجینہ ہائے سعادت سے مواد ومعلوماتِ سیرت زیادہ سے زیادہ تعداد ومقدار میں جمع کرے بلکہ ان کے علاوہ دوسرے تمام مصادرِ علم وعرفان سے بھی بھرپور استفادہ کرے۔ ان میں قرآن کریم کی آیاتِ ربانی، مفسرین عظام کی تفسیری روایات، فقہاءِ کرام کی فنی وعلمی تحقیقات، لغت وادب کے ائمہ کی بیش بہا تحقیقات وتشریحات اور متعدد دوسرے علوم وفنونِ اسلامی ۔ تاریخ، جغرافیہ، نفسیات وغیرہ ۔ کی قیمتی معلومات بھی شامل ہیں۔ جب تک تمام دستیاب موادِ سیرت کی جمع وتدوین کا بنیادی کام نہیں کیا جاتا کہیں نہ کہیں معلوماتی خلا باقی رہ جائے گا اور تالیفاتِ سیرت اور مطالعاتِ سوانح ناقص رہ جائیں گے۔

ظاہر ہے کہ اس متنوع، رنگارنگ اور بوقلموں موادِ سیرت کی بے شمار روایات واخبار میں کہیں نہ کہیں تصادم وتنافر کا رڑا اٹکے گا۔ علمائے اسلام اور محققینِ علوم نے اس کو دور کرنے کے لیے ہی اصول تطبیق وتلفیق وضع کیا ہے۔ اس سے کام لے کر بظاہر مخالف ومتصادم روایات واخبار میں مطابقت ومحبت اور توازن وتعامل پیدا کیا جائے گا کیونکہ بالعموم اکثر تصادمات ظاہری ہوتے ہیں اور حقیقت میں ان مختلف معلومات کا صحیح موقع ومحل، تناظر وپس منظر اور اطلاق وانطباق کا علم نہ حاصل ہونے کی وجہ سے اختلاف وتصادم نظر آتا ہے، اور دراصل ہوتا نہیں ہے۔ لیکن اگر کہیں صورتِ تصادم اور وجہ اختلاف رفع کرنے کا کوئی شائبہ ہی نہ ملے تو اہلِ سیرت وماہرینِ سوانح کا اجماعی یا اکثریتی فیصلہ

ناطق وفیصل ہوگا کہ یہی جہانِ علم کے مفتی اور دنیائے دانش کے قاضی کا فیصلہ ہے کہ قولِ فیصل ماہرینِ فن ومحققینِ علم کا ہے، نہ کہ جہانِ دیگر کے اماموں کا۔

قدیم وجدید سیرت نگاروں نے مختلف طبقات کی ضرورت واحتیاج کے پیشِ نظر سیرتِ نبوی پر مشتمل کتبِ سیرت کو سہ گانہ تقسیم کی صورت عطا کی ہے: عام استعداد، کم فہم وذکاء اور ابتدائی درجات کے طلبۂ علم کے لیے مختصراتِ سیرت، اوسط درجہ کی صلاحیت ولیاقت کے قارئین اور ثانوی درجات کے طالب علموں کے لیے متوسط نوعیت کی کتبِ سیرت اور عالمانِ ذی شان، محققینِ فنون، اعلیٰ درجات کے منتہی علماء ودانشوروں کے لیے 'مطول تالیفات' بیشتر ماہرینِ سیرت جیسے ابن سید الناس (ابو الفتح محمد بن ابی بکر محمد یعمری ۷۳۴ - ۶۷۱/ ۱۳۳۴-۱۲۷۳) ابن عبدالبر قرطبی (ابو عمر ویوسف بن عبداللہ ۴۶۳ -۳۶۸/ ۱۰۷۰-۹۷۸) حافظ مغلطائی وغیرہ نے مطول ومختصر کتبِ سیرت لکھ کرامت اسلامی کے تینوں طبقات میں سے اول وسوم کی ضروریات کی کفایت کرنے کی کوشش کی۔ اردو میں قاضی سلیمان منصور پوری نے کم از کم منصوبۂ تالیف بنا کر تینوں کی پیاسِ علم بجھانے کی راہ سجھائی۔ یہ بہت فطری اور منطقی تقسیم ہے اور ان کے مطابق تالیفاتِ سیرت تیار کرنی چاہیں۔

اب طریقِ تالیف واسلوبِ تصنیف کا پیچیدہ اور دشوار سوال آتا ہے کہ یہ کتبِ سیرت کیونکر اور کیسے تالیف کی جائیں؟ ظاہر ہے کہ عام ابتدائی کتبِ سیرت کا طرزِ تحریر بیانیہ ہی ہوگا۔ لیکن ان میں محض ایک دو کتبِ قدیمہ کی معلومات پر انحصار نہ ہو۔ قدیم مؤلفین اور قرونِ وسطیٰ کے اہلِ سیر کی کتابوں سے نئی معلومات ومواد سے استفادہ ضروری ہے۔ سہیلی کی الروض الانف، ابن کثیر کی السیرۃ النبویہ اور شامی، حلبی، زرقانی وغیرہ کی تالیفاتِ سیرت میں ابن اسحاق/ابن ہشام کے علاوہ متعدد قدیم صاحبانِ کتب جیسے حافظ اموی کی مغازی، عروہ بن زبیر کی مغازی اور دیگر اصحابِ علم کی روایات موجود ہیں۔ ان کو بھی جگہ دینی اور سکہ رائج الوقت بنانا علمی فریضہ اور فنی تلازمہ ہے۔ ابھی تک ان کو محض نیا مواد قرار دے کر شاذ معلومات کے فروتر درجہ تک گرا کر مسترد کیا جاتا رہا ہے۔ ابن اسحاق و

ابن ہشام یا دوسرے مشہور عام مؤلفین کی معلومات وروایات حتمی وقطعی ہیں اور نہ جامع و مانع کہ دوسری روایات ومعلومات کے اخذ وقبول سے ان کی عصمت وطہارت پر حرف آتا ہو۔ ہر وہ نئی معلومہ اور جدید مواد اخذ وقبول اور رواج وروایت کا استحقاق فنی رکھتا ہے جو سیرت طیبہ کے اسلامی حیطۂ عمل میں چوکس بیٹھتا ہے۔ زیادہ سے زیادہ یہ دیکھا جا سکتا ہے کہ ان کی روایتی حیثیت اور درایتی معیار مقبول و مشہور ومعلوم روایات واخبار کے مطابق ہے یا نہیں۔ اکثر دیکھا گیا ہے کہ روایاتِ مشہورہ روایتی اور درایتی دونوں معیاروں پر مبنیہ شاذ ونئی روایات کے بالمقابل زیادہ کھری نہیں اترتیں۔ مثلاً جدِ امجد جناب عبدالمطلب ہاشمی کی وفات کے بعد نوخیز رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی تعلیم وتربیت اور نگہداشت کے بارے میں جناب ابوطالب ہاشمی کی کفالت کی روایت حافظ اموی کی بیان کردہ روایتِ کفالتِ جناب زبیر بن عبدالمطلب ہاشمی سے دونوں اعتبار سے فروتر ہے۔ یا خاندانِ بنو عبد مناف میں خاندانی اتحاد و یگانگت کی روایات اموی ہاشمی تنافر دکھانے والی روایات سے افضل وبرتر ہیں۔ ایسی نئی روایات ومعلومات کے اخذ و قبول میں اصولِ تطبیق اولاً اختیار کرنا ضروری ہے اور بصورت عدم تطابق اصولِ ترجیح سے کام لینا لازمی ہے کہ فنی تقاضا بھی یہی ہے اور دینی، اسلامی اور اخلاقی مطالبہ بھی یہی ہے۔

کتب سیرت خواہ وہ کسی مرتبۂ علم ودانش کی خاطر ہوں اب محض واقعات کی کھتونی اور صرف بیانیۂ سرسری پر مبنی ہونے سے ماورا ہونی چاہئیں۔ بیانِ واقعات وسوانح کا زمانہ گذر چکا کہ وہ تکرارِ محض کے سوا اور کچھ قاری کو نہیں دے سکتا۔ اب بیانیہ کو بھی تحلیل وتجزیہ کی کھٹالی سے گذارنے کا زمانہ ہے اور یہی تقاضائے فن بھی ہے۔ بغیر اس کے نئی معلومات کو پرانے ذخیرۂ مواد میں سمویا نہیں جا سکتا۔ دوسرے اب قاری وطالب کا علم ودانش بلند تر ہو چکا ہے۔ وہ شخصیت کی تعمیر نو اور عہد کی بازیافت چاہتا اور طلب کرتا ہے اور وہ چاہے یا طلب نہ کرے تو بھی فنی تقاضا ہے کہ تحلیلی انداز اور تجزیاتی اسلوب میں سیرت نبوی کو پیش کیا جائے کیونکہ اس صورت میں ذات وصفاتِ نبوی اور کمالات واکتسابات حضرت اقدس کو ان کے صحیح تناظر واسلامی

پس منظر میں پیش کیا جاسکتا ہے، اسی کے ذریعہ رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات والا صفات کا علمی دفاع اور اسلام ودین کا مذہبی تحفظ بھی ممکن ہے۔ شخصی احوال کے ساتھ دینی اقدار اور تہذیبی معاملات کو آمیز کیا جا سکتا ہے۔ سماجی، اقتصادی، سیاسی اور دوسرے تمام انسانی امور ومعاملات کو ہم آہنگ کیا جا سکتا ہے۔ مجموعی طور سے روحِ عصر، جانِ تہذیب اور عبقریتِ شخص کی کامل بازیافت کی جا سکتی ہے۔

تجزیاتی مطالعہ اور تنقیدی نگارش کے ذریعہ ہی روایات واخبارِ سیرت کا روایتی ودرایتی مقام ومرتبہ متعین اور کھرے کو کھوٹے سے ممتاز کیا جا سکتا ہے۔ اہلِ سیر میں محققینِ فن کا طریقہ رہا ہے کہ وہ صحیح روایات کا انتخاب کرتے اور غلط اخبار کو مسترد کرتے رہے ہیں۔ اس مقصد کے حصول کے لیے وہ اخبار وروایات کے رواۃ (سلسلۂ روایت اگر موجود ہے) پر بحث کرکے اس کا حسن وقبح معلوم کرتے ہیں اور حسنِ روایت ورواۃ کی صورت میں قبول اور قبح کی شکل میں مسترد کرتے ہیں۔ اسی طرح بلا سند وبلا سلسلۂ روایت اخبار وروایات کے باب میں وہ درایت کے اصول کا اطلاق کرتے ہیں، جیسے کہ سندی روایات واخبار کو معیارِ درایت پر کستے ہیں۔ سیرتِ نبوی کے باب میں درایتی اصول سب سے پہلے یہ ہونا چاہیے کہ وہ حضورِ رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم کی ذاتِ گرامی شخصیتِ عالی اور کردارِ سامی کے شایانِ شان ہے کہ نہیں اور دوسرے یہ کہ وہ اسلامی اقدار، دینی معیار اور مذہبی روح سے میل کھاتا ہے کہ نہیں۔ تیسرے یہ کہ وہ عام فطری واقعاتِ حیات اور منطقی معلوماتِ سیرت سے ہم آہنگ ہے کہ نہیں اور سب سے اہم یہ کہ وہ دوسرے اصولِ فن پر کھرا اترتا ہے کہ نہیں؟

سیرتِ نبوی میں روایات واخبار کا روایتی ودرایتی تجزیہ قبل بعثت کے واقعات وحالات میں بھی اسی طرح ہونا چاہیے جس طرح مدنی واقعات یا بعدِ نبوت کوائف کے تعلق سے کیا جاتا ہے۔ عہدِ جاہلیت اور قبلِ بعثت کے واقعات و اخبار بالعموم بلاسند ہوتے ہیں۔ ان کا روایتی معیار کم وبیش یکساں ہوتا ہے کہ وہ اخبارِ سینہ اور قدیم قصص وواقعات پر مبنی ہوتے ہیں۔ لہٰذا اگر مقبولِ عام اور مشہور ومتداول روایات پر ایسی چند روایاتِ غیر مشہورہ سے معلومات کا اضافہ ہوتا

ہے تو ان کو بلا تکلف بیانیۂ سیرت میں ہونا چاہیے۔ مثلاً رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے سب سے بڑے حقیقی چچا جناب زبیر بن عبد المطلب ہاشمی تھے اور ان کا قبل بعثت حیات نبوی میں خاصا اہم کردار رہا تھا۔ مگر ان کا ذکر خیر دوسرے حقیقی چچا جناب ابو طالب بن عبد المطلب ہاشمی کے ساتھ نہیں کیا جاتا۔ طرفہ ستم کہ اول الذکر کی تربیت و نگہداشت نبوی میں کارسازی کو موخر الذکر کی حق تلفی، بے توقیری اور متعصبانہ کارروائی قرار دیا جاتا ہے۔ حالانکہ تعصب و جانبداری ہی نے اوّل الذکر کا حق غصب کیا ہے۔

امام و فیلسوف تاریخ ابن خلدون (عبد الرحمٰن بن محمد بن محمد حضرمی ۸۰۸-۷۳۲/ ۱۴۰۶-۱۳۳۲) کے مطابق جانبدارانہ تاریخ نگاری ان سات جرائم نگارش اور گناہانِ تحریر میں سے ایک ہے جو تاریخ کو مسخ کرتی ہیں۔ بلا شبہ یہ ایک بدیہی اور فطری حقیقت ہے کہ ہر لکھنے والا، ہر مصنف اور ہر سیرت نگار اپنے میلانات، رجحانات اور تعصبات کا اسیر ہوتا ہے کیونکہ فطری تقاضوں کی اثر پذیری اور نفسیاتی گرہوں کی کارسازی سے کوئی بھی محفوظ و مامون نہیں۔ لیکن دیکھنا یہ ہوتا ہے کہ وہ اپنے میلانات و رجحانات اور تعصبات کو تاریخ اور سیرت کے واقعات کو چھپانے، توڑنے مروڑنے، بدآمیز و بدرنگ کرنے، غلط معانی پہنانے، آدھے سچ کی شکل دینے، بلا وجہ مسترد کرنے اور مسخ کرنے کی حرکت تو نہیں کرتا۔ اگر وہ دونوں یا چند پہلوؤں والی روایات کو بیان میں جگہ دیتا ہے تو اسے تعصب کا شکار اور غیر متوازن و جانبدار نہیں کہا جا سکتا۔ ابن اسحاق/ابن ہشام نے جناب زبیر بن عبد المطلب ہاشمی کی جناب رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے حقیقی عمومیت کا رشتہ قریبی چھپا کر اور جناب ابو طالب کو "واحد حقیقی چچا" ہونے کا تاثر دے کر جانبداری کا ارتکاب کیا ہے جبکہ حافظ اموی و امام ابن کثیر وغیرہ محققین فن نے دونوں رشتوں کا برملا اظہار کر کے حق و صداقت اور غیر جانبداری و معروضیت کا ثبوت پیش کیا ہے۔

فلسفۂ تاریخ کے اسی بانی امام گرامی نے تاریخ کے ظاہری اور اندرونی پہلوؤں کا عظیم الشان نظریہ پیش کر کے حقیقتِ امری کی بازیافت کا اچوک طریقہ ایجاد کیا ہے جو اپنی ساخت و نہاد میں خالص اسلامی ہے۔ ان کے خیال و فکر میں واقعات، روایات،

اخبار دراصل تاریخ کے ظاہری یا بیرونی پہلو ہیں جو اصل وجانِ تاریخ وسیرت نہیں ہیں۔ وہ اسباب وعوامل اور عناصر جوان واقعات وکوائفِ ظاہری کی تشکیل کرتے اوران کومنظرِ عام پر لاتے ہیں دراصل اندرونی یا باطنی پہلوہائے تاریخ ہیں اوران کی کارفرمائی، ظواہر میں کارسازی کوجانے سمجھے اورتجزیہ کیے بغیر حقیقت کا ادراک نہیں کیا جاسکتا۔ وہ دراصل روحِ تاریخ اور جانِ سیرت ہیں اورظاہری واقعات ان کے اعراض واجسام وابعاد۔ سیرتِ نبوی کے تجزیاتی مطالعہ ونگارش میں اس حقیقی نظریہ یاروحِ سیرت کوکارفرماوکارساز بنائے بغیر حیاتِ نبوی کو اس کے صحیح تناظر میں نہ سمجھا جاسکتا ہے اورنہ الفاظ وعبارات میں پیش کیا جاسکتا ہے۔ (مقدمہ ابن خلدون قاہرہ ۴۱-۴۵)

سیرت نگاری کے دوسرے ابعادوجہات

جامع وکامل سیرتِ نبوی پر مبنی مختصر ومتوسط ومطول کتابوں اورتالیفوں کے علاوہ ایک ہمہ جہت وہمہ گیر قاموسی سیرۃ النبی تالیف کرنے کی ضرورت ہے۔ یہ کام مدتوں سے بلکہ بندرہ صدیوں سے مسلمانوں، شیفتگانِ نبی صلی اللہ علیہ وسلم اوراہلِ علم وتحقیق کے ذمہ واجب الادا چلا آرہا ہے۔ ظاہر ہے کہ یہ صبر آزما، وقت طلب، جاں گداز اورساتھ ہی دلنواز وروح پرور کام ہے ایک طویل مسلسل جدوجہد، پیہم تگ ودو اورجماعتی واکادمی کا کام ہے۔ اس معجم السیرۃ اورقاموس حیاۃ النبی صلی اللہ علیہ وسلم میں تمام مراحلِ حیات کے بارے میں تمام دستیاب روایاتِ سیرت وحدیث کوجمع ومرتب کرنا، تحلیل وتجزیہ اورتنقید وتبصرہ کے ذریعہ ان میں معتبر ومستند کوقبول کرنا، غیر صحیح وضعیف کومسترد کرنااور حیاتِ طیبہ کے ہرباب عالی مقام اورہر مرحلۂ شوق وجاں نثاری کومفصل ومشرح بیان کرنا، اعتراضات وتنقیصاتِ غیروعدوانِ اسلام کاجواب باصواب فراہم کرنا، غرض کہ ہروہ کام اورہروہ عمل کرنا ہے جس کے ذریعہ سیرتِ طیبہ کوصحیح انداز میں پوری تفصیل کے ساتھ پیش کیا جاسکے۔

طویل ومفصل اورجامع وقاموسی سیرۃ النبی کے دوش بدوش یک پہلو مطالعاتِ سیرت کی تالیف وتصنیف بھی وقت کا تقاضا اورعلم کامطالبہ اورقارئین وطالبان کی

ضرورت ہے۔ ہمارے قدیم ترین حولیات نگاروں۔سیف بن عمر تمیمی (م ۱۸۰/)
ابو مخنف لوط بن یحییٰ ازدی (م ۱۵۷/ ۷۷۴)، عوانہ بن حکم کلبی (م ۔۔۔) مدائنی (م ۲۲۵ھ)
اور متعدد دوسروں نے زمانۂ قدیم میں اور احمد باشمیل وغیرہ نے غزوات وسرایا کے
باب میں کم از کم عہد جدید میں ان کے حجم وضخامت، ابعاد و اعراض اور وسعت و
حد بندی کا ایک خاکہ پیش کر دیا ہے۔ حولیات نگاروں کے طریق کار اور طرز نگارش
سے استفادہ کی سفارش کی جا رہی ہے۔ ان کی ہرزہ سرائی، غلط بیانی، جانبداری،
مسخ نگاری، قصہ گوئی اور ایسے ہی دوسرے اساطیری اور غیر فنی وغیر اسلامی عناصر و
اعراض سے احترازِ کلی بھی تجویز کیا جا رہا ہے۔ موضوعاتی کتابچے اس کے نتیجہ میں وجود
میں لائے جا سکتے ہیں جیسے ولادتِ نبوی پر ایک کتابچہ، رضاعتِ نبوی پر دوسرا،
والد ماجد پر تیسرا، والدہ ماجدہ پر چوتھا اور اسی طرح ہر مسئلہ و معاملہ و پہلو پر ایک مستقل
کتابچہ جس میں تمام معلومات و روایات تجزیاتی انداز سے سموئی جا سکتی ہیں۔

ثانوی کتبِ سیرت اور کتابچہ ہائے حیات کے پہلو بہ پہلو ان گنت قدیم
کتابوں، تالیفوں اور مصادر و مآخذ میں موجود روایاتِ سیرت کے جمع و تدوین اور
تالیف کا کام بھی کرنا ضروری ہے جو سیرت نگاری کے ابعاد و جہات ہی کو وسعت
نہیں دے گا بلکہ صحیح منہجِ نگارش بھی متعین و عام کرنے میں معاونت کرے گا۔ عہدِ
جدید میں بعض ایسی حسین و جمیل مساعی منظر عام پر آ چکی ہیں۔ مثلاً ڈاکٹر اکرم ضیاء العمری نے
حضرت ابوالاسود کی روایاتِ سیرت حضرت عروہ بن زبیر اسدی کی سند پر جمع کی تھیں۔
مرتب گرامی نے ان کی بنیاد پر حضرت عروہ کی مفقود کتاب المغازی کی بازیافت کی
ہے۔ گمشدہ کتب المغازی کی بڑی تعداد ہے جو قدیم مآخذ میں منتشر روایاتِ امامانِ
سیرت کی تلاش و تحقیق اور جمع و تدوین کر کے وجود میں لائی جا سکتی ہیں۔ ان کی دو مثالیں
اور بھی ہیں۔ اکرم ضیاء العمری کی مساعی سے ایک عرب محقق نے اور مسلم یونیورسٹی علی گڑھ
کے ڈاکٹر جمشید احمد ندوی نے امام سیرت موسیٰ بن عقبہ کی روایاتِ سیرت کو ایک جگہ
جمع کر کے شائع کر دیا ہے۔ موخر الذکر نوجوان محقق نے حافظ اموی کی روایاتِ سیرت
کو جمع کر کے اپنے ڈاکٹریٹ کے مقالے کی صورت میں پیش اور محفوظ کیا ہے ایسی مساعی
جمیلہ بعض دوسرے اہلِ سیر کی کتب و روایات کے باب میں بھی جاری ہیں اور بعض

کے بارے میں تجویز پیش کی جارہی ہے۔

بدنام و مطعون امام سیرت واقدی (محمد بن عمر واقدی ۲۰۷-۱۳۰/۸۲۳-۷۴۷ء) کی صرف ایک صحیح کتابِ سیرت کتاب المغازی کے عنوان سے ابھی تک چھپی ہے اور بالعموم یہ سمجھا جاتا ہے کہ مؤلفِ گرامی نے صرف مغازی نبوی سے تعرّض کرکے صرف یہی بابِ سیرت پوری کتاب کی صورت میں مرتب کیا حالانکہ حقیقت یہ ہے کہ انھوں نے امام ابن اسحاق کی کتابِ سیرت "کتاب المبتدأ والمبعث والمغازی" کی طرز پر اپنی کتاب "کتاب التاریخ والمبعث والمغازی" مدوّن و مرتّب کی تھی جس میں تین حصے تھے، اول قبلِ بعثت حالات سے بحث کرتا تھا، دوسرا بعثت وبعد بعثت کے عام واقعات سیرت سے اور تیسرا غزوات و سرایا سے۔ موجودہ کتاب اسی ضخیم وعظیم اور کامل و جامع کتابِ سیرت کا محض تیسرا جزو ہے۔ تمام کتبِ سیرت، مصادرِ حیات اور بہت سی کتبِ حدیث وفقہ میں واقدی کی روایاتِ سیرت و تاریخ موجود ہیں۔ سرِ دست ان میں سے کلاعی (ابوالربیع سلیمان ۵۶۵-۶۳۴ھ / ۱۱۷۰-۱۲۳۷ء) کی کتاب الاکتفاء....، ابن سیدالناس کی عیون الاثر، حافظ ابن حجر عسقلانی کی فتح الباری، قاضی ابویوسف کی کتاب الخراج کا حوالہ دیا جاتا ہے۔ تمام روایاتِ واقدی کو جمع کرنے سے مفقودہ حصوں کی بازیافت کی جاسکتی ہے اور پوری کتاب سیرت واقدی جمع کرکے ایک اہم علمی کام کیا جاسکتا ہے۔ اس خدمتِ تحقیق و تالیف کے بعد ہی مطعون امام سیرت کے صحیح مقام و مرتبہ اور ان کی خدماتِ فن کی صحیح قدر و قیمت آنکی جاسکتی ہے۔ ورنہ ابھی تک جو کچھ ان کے اور ان کے کام کے بارے میں کہا گیا ہے وہ اقوال اور تبصروں کی بنا پر اور ادھورے بلکہ ناقص ترین مطالعہ کی بنا پر کہا اور لکھا گیا ہے۔

مفقودہ اور منتشر و پراگندہ کتبِ سیرت اور ان کے مؤلفینِ کرام کی مجموعی روایات واخبار واقوال کو جمع و مرتّب کرنے کے علاوہ کسی خاص باب یا پہلو یا نکتہ پر تمام ممکنہ دستیاب مصادر و مآخذ کی روایات و مرویات کو ایک جلد خاص میں مدوّن و مرتّب کرکے طالبان و محققین کے استفادہ کے لیے سیرت نگاری کی جہات میں توسیع کی جاسکتی ہے۔ عہدِ جدید میں ایسی بعض مساعی جمیلہ اور مجموعہ ہائے

ابواب سیرت منظر عام پر آچکے ہیں۔ بطور مثال ڈاکٹر اکرم ضیاء عمری نے غزوۂ مریسیع سے متعلق تمام روایات و اخبار کو "مرویات غزوۃ بنی المصطلق" کے عنوان سے شائع کیا ہے۔ مرویات غزوات اور دوسرے واقعات سے متعلق اخبار و روایات کے بعض اور مجموعے بھی جدید محققین بالخصوص عرب اہل علم کی توجہ سے منظر عام پر آچکے ہیں یا آنے کے انتظار مسعود میں ہیں۔

منظوم سیرت نبوی کی کتب و رسائل پر ابھی زیادہ توجہ نہیں دی گئی ہے سوائے الفیۂ حافظ عراقی کے۔ ایسی متعدد کتب منظومہ موجود ہیں جو قدیم اہل سیر یا قرون وسطیٰ کے ماہرین فن کی عنایت و توجہ سے چھپ چکی ہیں۔ ان کے محقق ایڈیشنوں کے علاوہ ان کے منثور شروح بھی اہل تحقیق و علم کی توجہ و ترتیب کے منتظر ہیں۔ بالعموم ان کتب سیرت میں زیادہ نیا مواد نہیں ملتا، مگر ان میں حیرت انگیز طور سے ایجاز و اختصار کا عنصر اور دریا کو کوزہ میں بند کرنے کا کارنامہ ملتا ہے جو طلبائے علم کی علمی ضرورت پوری کرنے کے علاوہ سیرت نبوی کو زبان زد عام اور حفظ و حافظہ میں محفوظ کرنے میں کافی معاون ہو سکتا ہے۔ نظم اور اس کی حدود کی بنا پر فکر و خیال پر قدغن بڑھ جاتی ہے اور معلومات بھی کافی سکڑ جاتی ہیں، لیکن اسی کے ساتھ تعبیر و تشریح کی رنگا رنگی اور دل کو چھو لینے والی کیفیت میں بھی اضافہ ہو جاتا ہے۔

اہل علم و تحقیق اور ماہرین فن کے کرنے کا ایک اہم کام یہ بھی ہے کہ دنیا کی ان گنت لائبریریوں اور کتب خانوں میں محفوظ مگر نگاہوں سے اوجھل مخطوطات سیرت کو تلاش کریں، ان کے متون کی تصحیح و ترتیب و تہذیب کریں اور حواشی و تعلیقات سے ان کو آراستہ پیراستہ کر کے دنیائے علم اور قدر دان فن کے آگے پیش کریں۔ جدید عہد تحقیق و جستجو اور معاصر اہل علم و فن نے بالعموم اور عرب محققین کرام نے اس طرف توجہ مبذول کی ہے اور کثرت سے سیرت نبوی پر مشتمل نصوص اور مصادر سیرت منصۂ شہود پر ان کی عنایت سے آچکے ہیں لیکن ابھی تک یہ کوشش زیادہ تر انفرادی ہیں، اداری اور اجتماعی نہیں بن سکی ہیں۔ سیرت نگاری یا سیرت حفاظتی کے اس پہلو کی طرف خاطر خواہ توجہ دینے کی ضرورت ہے۔

مخطوطاتِ سیرت میں جو ابھی جلد ہی مطبوعات بنے ہیں ان میں امام ابوزرعہ دمشقی (عبدالرحمٰن بن عامر م ۲۸۲ / ۸۹۵) کی "سیرۃ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم و تاریخ الخلفاء الراشدین" ہے جو دمشق سے ۱۹۸۰ء میں شائع ہوئی ہے اور سب سے اہم ابن اسحاق کی گمشدہ سیرتِ نبویہ ہے جس کے دو ناقص مخطوطے ہی سہی ڈاکٹر محمد حمید اللہ کی کوشش و تحقیق سے جلد ہی مصر سے ۱۹۶۷ء میں شائع ہوئے ہیں۔ ان کے علاوہ حافظ ابن عبدالبر کی 'الدرر'، ابن النفیس (م ۶۸۷) کی 'الرسالۃ الکاملیۃ' اور بعض اور مخطوطاتِ سیرت شامل ہیں۔

قدیم اور مستند اہلِ سیر کی بعض انتہائی اہم اور بیش بہا تالیفاتِ سیرت مخطوطات کی صورت میں غیر ملکی یا مغربی کتب خانوں میں موجود ہیں۔ ان میں مثال کے طور پر حافظ مغلطائی کی ضخیم و عظیم تر کتابِ سیرت "الزھر الباسم فی سیرۃ ابی القاسم" بھی مخطوط ہے۔ ان کی مختصر سیرتِ مغلطائی بار بار چھپ چکی ہے، مگر اصل کتاب ابھی تک پردۂ خفا میں مستور و مکنون ہے، شاید اس بنا پر کہ اس کا ابھی تک کی معلومات کے مطابق واحد مخطوطہ صرف لائیڈن کے کتب خانے میں پایا جاتا ہے اور اس کی بازیابی و حصول کی راہ میں سدِ سکندری حائل ہے، جسے اصطلاحِ زر میں زرِ مبادلہ کہتے ہیں۔ اس قسم کے اور بہت سے مخطوطات مختلف غیر ملکی اور برصغیر پاک و ہند کے کتب خانے میں موجود ہیں۔ خدابخش اورنٹیل لائبریری پٹنہ نے بعض مخطوطاتِ سیرت پر کام شروع کرا دیا ہے۔ دوسرے کتب خانوں اور ان کے سربراہوں کے لیے صلائے عام ہے۔

عہدِ نبوی کے غزوات و سرایا

ڈاکٹر رؤفہ اقبال صاحبہ نے اس تصنیف میں اسلام کے نظریہ جہاد پر اسلامی موقف کی بے لاگ ترجمانی کی ہے اور اس پر کیے جانے والے اعتراضات کا مسکت اور مدلل جواب دیا ہے۔

آفسٹ کی طباعت۔ صفحات ۲۴۷ قیمت ۲۵ روپئے

ملنے کا پتا: ادارۂ تحقیق و تصنیف اسلامی - پان والی کوٹھی - دودھ پور - علی گڑھ ۲۰۲۰۰۲